

قواعد فقہیہ کے ماخذ

نسیم محمود*

قاعدہ کا لغوی مفہوم:

قاعدہ کی جمع قواعد ہے اور قاعدہ کا لغوی معنی مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے:

قاعدہ بمعنی اساس:

متعدد علماء نے قاعدہ کا معنی اساس بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی نے بھی قاعدہ کو اسی معنی میں لیا ہے (۱)۔

صاحب تاج العروس امام زجاج کے حوالے سے قواعد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وقال الزجاج القواعد اساطین البناء التي تعمدہ" (۲)

"قواعد سے مراد عمارت کی وہ بنیادیں ہیں جن پر وہ قائم ہوتی ہے"

امام شرف الدین نووی نے اس کے مفہوم کو بھی اسی طرح بیان کیا ہے (۳)

ابن منظور افریقی کے ہاں بھی اس سے مراد اساس اور بنیاد ہے اور انہوں نے زجاج کا قول بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"وقواعد اليهود ج: حشبات اربع معترضة في اسفله تركب عيدان اليهود ج فيها" (۴)

ہودج کے قواعد سے مراد نیچے لٹکی وہ چار لکڑیاں ہیں جن میں ہودج کی باقی لکڑیاں پیوست ہوتی ہیں۔

صاحب مصباح المنیر بھی قواعد کا معنی اساس بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(قواعد) البيت اساسه" (۵)

"گھر کے قواعد سے مراد اسکی بنیادیں ہیں"

پھر اساس کی درج ذیل دو اقسام ہیں:

(i) اساس حسی: اس سے مراد وہ اساس ہے جو محسوس ہو سکے جیسے گھر کی بنیادوں کیلئے قواعد البیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن

حکیم میں اس کا استعمال یوں ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ﴾ (۶)

"اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے"

اس آیت کریمہ میں قواعد کا لفظ حسی بنیادوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک اور مقام پر قواعد بمعنی اساس حسی یوں استعمال ہوا ہے۔

﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَى اللَّهُ بُيُوتَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ
وَأَنَّهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (۷)

”ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا، (آخر) اللہ نے ان (کے منصوبوں) کی عمارتوں کو چڑوں سے اکھیڑ دیا اور ان (کے سروں) پر (ان کی) چھتیں اوپر سے گر پڑیں اور ان کے پاس عذاب وہاں سے آ گیا جہاں کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا“

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرُجُونَ نِكَاحًا﴾ (۸)

”بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید (اور خواہش ہی) نہ رہی ہو“

اس آیت میں بھی قواعد حسی بنیادوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(ii) اساس معنوی: قاعدہ سے مراد وہ اساس ہے جو حسی نہ ہو بلکہ معنوی ہو جیسے قواعد الدین یعنی دین کی بنیادیں جو کہ حسی نہیں بلکہ معنوی ہیں

قواعد کی لغوی وضاحت کے بعد اب اس کے اصطلاحی معنی پر غور کیا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

قاعدہ کی اصطلاحی تعریف علماء نے مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔ اس حوالے سے امام جرجانی کے الفاظ یہ ہیں:

”فہی قضیة کلیة منطبقہ علی جمیع جزئیاتہا“ (۹)

”قاعدہ سے مراد ایسا کلی معاملہ ہے جس کا اپنی تمام جزئیات پر اطلاق ہوتا ہو“

ابوالبقاء کفوی قاعدہ کی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں:

”قضیة کلیة فی حیث اشتمالہا بالقوة علی احکام جزئیات موضوعہا“ (۱۰)

”ایسا کلی معاملہ ہے جس کا اطلاق باعتبار قوت اپنے موضوع کی جزئیات کے تمام احکام پر ہوتا ہے“

امام تفتازانی قاعدہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

”حکم کلی ینطبق علی جزئیات لیتعرف احکامہا منہ“ (۱۱)

”ایسا کلی حکم جو اپنی جزئیات پر اس طرح صادق آتا ہو کہ اس سے اس کے تمام احکام معلوم ہو جائیں

قاعدہ کہلاتا ہے“

محمد اعلیٰ بن علی تھانوی اس کی تعریف کو تفصیل کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں:

"ہی فی اصطلاح العلماء تطلق علی معان مترادف الاصل و القانون و المسألة و الضابطہ و المقصد و عرفت بانها امر کلی منطبق علی جمیع جزئیاتہ عند تعرف احکامہا منہ وانه يظهر لمن تتبع موارد الاستعمالات ان القاعدة هي الكلية التي يسهل

تعرف احوال الجزئیات منها" (۱۲)

"علماء کی اصطلاح میں لفظ قاعدہ کا اطلاق اصل، قانون، مسئلہ، ضابطہ اور مقصد جیسے مترادف معانی پر ہوتا ہے اور اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ یہ ایسا کلی معاملہ ہے جو اپنے احکامات کی معرفت کے اعتبار سے اپنی تمام جزئیات پر صادق آتا ہے..... اور جو اس کے استعمالات کے مواقع کی جستجو میں رہتا ہے اس پر یہ واضح ہوتا ہے کہ قاعدہ ایسا کلی معاملہ ہے کہ اس کے ذریعے اس کی جزئیات کے احوال کی پہچان آسان ہو جاتی ہے"

قاعدہ کی عمومی اصطلاحی تعریف کے بعد ضروری ہے کہ فقہاء کے نزدیک قاعدہ کی اصطلاحی تعریف کی جائے کیونکہ اس مقالے کا موضوع فقہ کے متعلق ہے۔ چنانچہ ذیل میں مختلف فقہاء کے ہاں قاعدہ کی اصطلاحی تعریفات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

۱۔ امام ابن نجیم کی کتاب "الاشباہ والنظائر" کے شارح امام حوی قاعدہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان القاعدة هي عند الفقهاء غير ها عند النحاة و الأصوليين ، اذ هي عند الفقهاء حكم

اکثری لاکلی، ینطبق علی اکثر جزئیاتہ لتعرف احکامہا منہ" (۱۳)

"فقہاء کے نزدیک قاعدہ کا معنی نحو یوں اور اصولیوں کے معنی کے برعکس ہے۔ چنانچہ فقہاء کے نزدیک قاعدہ ایسا کلی نہیں بلکہ حکم اکثری ہے جو اپنے احکام کی پہچان کے لئے اپنی اکثر جزئیات پر صادق آتا ہے۔

۲۔ امام تاج الدین سبکی قاعدہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"هي الأمر الكلي الذي ينطبق عليه جزئیات كثيرة تفهم احکامہا منہ" (۱۴)

"یہ وہ کلی معاملہ ہے جس پر ایسی بہت سی جزئیات کا انحصار ہو جن کے ذریعے ان کے احکام سمجھے جاسکیں

۳۔ امام زکریا قاعدہ فقہیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واما قواعد الفقه هي عبارة عن المسائل التي تندرج تحتها احکام الفقه نفسها" (۱۵)

"قواعد فقہیہ ان مسائل سے عبارت ہیں کہ خود احکام فقہیہ جن کے ذیل میں آتے ہیں"

۴۔ امام مقرر الممالک قاعدہ کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ونعني بالقاعدة كل كلي هو أخص من الأصول و سائر المعاني العقلية العامة ، وأعم من

العقود و جملة الضوابط الفقهية الخاصة" (۱۶)

"اور قاعدہ سے ہماری مراد ہر وہ کلی ہے جو کہ اصول اور تمام عمومی عقلی معانی سے خاص ہو اور عقود اور تمام مخصوص فقہی ضوابط سے عام ہو"

۵۔ قانون جدید میں قاعدہ کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

"A principle of law universally admitted as being a correct statement of the law, or as agreeable to reason." (17)

”ایسا قانونی ضابطہ جسے بین الاقوامی طور پر ایک درست قانونی بیان تسلیم کیا گیا ہو اور وہ عین عقل کے مطابق ہو“

اس تعریف کی رو سے قاعدہ ویسے تو ایک محاورہ یا ضرب المثل ہے مگر اس کی اہمیت کو اگر دیکھا جائے تو یہ ایک مکمل قانونی ضابطہ کی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر عدالتوں میں فیصلے کئے جاتے ہیں، جس سے اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ مذکورہ بالا تعریفات قاعدہ کی عام اصطلاح کو واضح کرتی ہیں اور یہ اصطلاح تمام علوم میں جاری ہوتی ہے۔ یقیناً ہر علم کے چند قواعد ہیں۔ جیسے نحو یوں کا قول کہ فاعل مرفوع، مفعول منصوب اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ اسی طرح اصولیین کا قول کہ امر و وجوب کے لیے ہے اور نفی تحریم کے لیے سو یہ قاعدہ چاہے نحو کا ہو، اصول فقہ یا کسی اور علم کا ہو اپنے مفہوم کے اعتبار سے ایسا امر کلی ہے جو اپنی جزئیات کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جز باقی نہیں رہتی۔

قواعد فقہیہ کے مآخذ و مراجع وہی ہیں جو کہ شرعی احکام کیلئے ہوتے ہیں، ذیل میں شریعت کے بنیادی مآخذ اور ثانوی مآخذ سے اخذ ہونے والے بعض فقہی قواعد کا ذکر کیا جائے گا تاکہ اس کے مآخذ و مراجع کے بارے میں آگہی حاصل ہو سکے۔

۱۔ قرآن مجید اور قواعد فقہیہ:

بہت سے قواعد فقہیہ قرآن حکیم کی آیات سے ماخوذ ہیں ایسے چند قواعد فقہیہ کا ذکر حسب ذیل ہے۔

۱۔ الضرورات تبیح المحظورات (۱۸) "ضرورتیں حرام چیزوں کو جائز کر دیتی ہیں"

یہ قاعدہ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات سے ماخوذ ہیں۔

الف۔ ﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَ لَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (۱۹)

”سو جو کوئی مجبور ہو وہ سرکشی اور حد سے تجاوز کئے بغیر (حرام چیزوں کو) کھالے تو اس پر کوئی گناہ نہیں“

اضطراری کیفیت حرام کو حلال (جائز) بنانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور یہی اصول قاعدہ مذکورہ میں اور یہی حقیقت مذکورہ آیت

قرآنی میں بیان ہوئی ہے۔

ب۔ ﴿إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (۲۰)

”مگر وہ جو مجبور ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو“

یہ آیت بھی مذکورہ ضابطے کا مأخذ بنتی ہے۔ چونکہ اس میں اضطراری حالت کے دوران زبان سے کلمہ کفر کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور یہاں راہ عزیمت نہیں بلکہ راہ رخصت اختیار کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ہدایت کی گئی ہے اور یہ ضابطہ بھی اسی آیت کے تحت ہے لہذا قرآن کے حکم کے مطابق اس ضابطہ سے ثابت ہونے والے تمام مسائل فروعیہ کو وہی حیثیت حاصل ہوگی جو کہ آیت قرآن کے تحت آئیو لے مسائل کو حاصل ہے۔

ii۔ "ما جاز للضرورة يتقدر بقدرها" (۲۱)

"جو کام ضرورت کے تحت جائز ہو وہ بقدر ضرورت ہی جائز ہوتا ہے۔

یہ قاعدہ فقہیہ مذکورہ سابقہ آیت کے الفاظ ”غیر باغ ولا عاذ“ سے ماخوذ ہے۔ کہ ضرورت کے وقت حرام اشیاء کے استعمال کی اجازت محدود ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ضرورت کو بنیاد بنا کر اس کا بے دریغ اور بلا ضرورت استعمال شروع کر دیا جائے۔

iii۔ "المیسور لا یسقط بالمعسور" (۲۲)

"آسانی تنگی کے سبب ساقط نہیں ہوتی۔"

یہ ضابطہ قرآن کی کئی آیات سے ثابت ہے۔

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (۲۳)

"اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا"

۳۔ "الحرج مدفع" "تنگی کو دور کیا جائے گا"

اس کی بنیاد قرآن پاک کی یہ آیت ہے:

﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ (۲۴)

"اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی تنگی پیدا نہیں کرنا چاہتا"

ان آیات میں بڑی وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ تنگی نہیں چاہتا بلکہ آسانی چاہتا ہے۔ اور اسلام کا یہی امتیازی وصف ہے کہ اس

میں آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ اسی سبب سے فقہاء نے یہ ضابطہ اخذ کیا کہ تنگی کے سبب کسی آسانی کو ختم نہیں کیا جائے گا۔

iv۔ "اذا ضاق الامر اتسع" (۲۵)

"جب معاملہ تنگ ہو جاتا ہے تو اس میں وسعت آ جاتی ہے"

گویا تنگی آسانی کا سبب بنتی ہے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا۔

﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ (۲۶)

"بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے"

یہی وجہ ہے کہ نئے مسائل کی وجہ سے جب اہل زمانہ کو تنگی محسوس ہوئی تو فقہاء نے اسلام کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی تلاش کرنے کی کوشش کی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو امور میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ زیادہ آسان چیز کو اختیار فرمایا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو (۲۷)۔ اور وراثت کے اصول میں بھی عمول کا تصور اسی ضابطے سے مطابقت رکھتا ہے۔

(۷) "المشقة تحلب التيسير" (۲۸) "مشقت آسانی لاتی ہے"

شریعت کے احکام کا خطاب صرف اور صرف انہی افراد کو ہوتا ہے جو کہ مکلف ہیں اور ان مکلفین میں بھی انہی لوگوں کو حکم شریعت پر عمل کا پابند بنایا جاتا ہے جو اسکی ادائیگی کی ہمت رکھتے ہیں اور اگر وہ ایسے فعل کی استطاعت نہیں رکھتے تو اس حکم کی تعمیل ان پر تا وقت استطاعت لازم نہیں ہے۔ اس قاعدہ کی بنیاد مندرجہ ذیل آیات قرآنی پر رکھی گئی ہے۔

(۱) ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۲۹)

"اللہ تعالیٰ کسی بھی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا"

(ب) ﴿لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۳۰)

"کسی بھی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی جاتی"

(ج) ﴿وَلَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۳۰)

"ہم کسی بھی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے"

(د) ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ (۳۱)

"اے ہمارے پروردگار ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے"

ان تمام آیات میں نفس کو اس کی طاقت اور ہمت کے مطابق مکلف بنانے کا ضابطہ ذکر ہوا ہے۔ گویا جہاں بھی اس کی طاقت سے زیادہ مشقت والا پہلو ہوگا وہاں اس کو آسانی حاصل ہوگی کیونکہ اسلام تکلیف مالا یطاق کا قائل نہیں ہے اور یہی بات اس قاعدہ میں بیان کی گئی ہے۔

(۷۱) "العادة محكمته" (۳۲)

"عادت اور دستور کے مطابق حکم دیا جاتا ہے"

تشکیل احکام میں معاشرہ کے رسم و رواج اور عادات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلام کے علاوہ اگر مغربی طرز عمل کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ برطانیہ کے اکثر قوانین کی بنیاد ہی ان کے رسم و رواج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسم و رواج پر مشتمل قوانین

کے Customary Laws یا Civil Laws, Common Laws کا نام دیا جاتا ہے اور برطانوی آئین تحریری نہیں بلکہ برطانوی رواج کے مطابق غیر تحریری ہے اور اس پر سختی سے عمل درآمد ہوتا ہے۔

معاشرتی رسم و رواج کو اسلامی قانون سازی میں بھی اہم مقام حاصل ہے چنانچہ قاعدہ مذکورہ اسی حقیقت کو اجاگر کرتا ہے اور اس قاعدہ کی بنیاد مغربی قانون نہیں بلکہ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات ہیں۔

(ا) "وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ" (۳۳) "اور عرف (نیک کام) کا حکم دیجئے"

(ب) ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (۳۴) "اور ان سے معروف طریقے کے مطابق سلوک کیجئے"

ان آیات میں عرف اور معروف کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں عرف سے مراد ایسا عرف نہیں ہے جو کہ خلاف شریعت ہو اور معروف طریقے سے ایسا طریقہ مراد نہیں ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہو کیونکہ عرف اور معروف وہی ہے جو کہ شریعت کے مقاصد کے مطابق ہو۔

ان مثالوں سے ثابت ہوا کہ قواعد فقہیہ کی بنیاد قرآن حکیم کی آیات ہیں۔

۲۔ سنت نبوی ﷺ اور قواعد فقہیہ:

بہت سے قواعد فقہیہ سنت نبویہ سے ماخوذ ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو کہ بعینہ حدیث کے الفاظ اور بعض ایسے ہیں جو احادیث سے ماخوذ ہیں۔ ذیل میں چند ایک ایسے قواعد کو بیان کیا جاتا ہے۔

(i) "لا ضرر ولا ضرار" (۳۵)

"نہ کسی کو ابتداءً نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی کو انتقاماً نقصان پہنچایا جائے"

یہ ضابطہ بعینہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں، چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

"قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار" (۳۶)

گویا اس ضابطے میں کسی کو ابتداءً اور انتقاماً نقصان دینے سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو جہاں بھی اس طرح کی ضرر رسانی ہوگی۔ اس سے اجتناب برتنا لازم ہوگا خواہ ان امور کا تعلق معاشی معاملات سے ہو یا معاشرتی معاملات سے۔

(ii) (a) "العراج بالضمآن" (۳۷)

"جرمانہ ذممداری کے مطابق ہوگا"

یہی الفاظ حدیث میں بھی بیان کئے گئے ہیں (۳۸)

(ب) "الغرم بالغنم" (۳۹)

"جرمانہ منافع کے برابر ہوگا"

یہ قاعدہ بھی مذکورہ حدیث سے ماخوذ ہے۔

یہ دونوں قواعد واضح کرتے ہیں کہ اگر کسی کو جرمانہ کرنا ہے تو اس کی مقدار ایسے شخص کی ذمہ داری اور ایسے شخص کے اس چیز سے استفادہ پر منحصر ہوگی۔ اگر نقصان زیادہ ہے تو جرمانہ بھی زیادہ ہوگا۔ اگر شئی سے استفادہ زیادہ ہے تو جرمانہ بھی زیادہ ہوگا اور اس کے برعکس صورت میں دونوں احوال میں جرمانہ کی مقدار بھی کم ہوگی۔

(iii) ”البينة على المدعى واليمين على من انكر“ (۴۰)

”ثبوت فراہم کرنا مدعی کی ذمہ داری اور قسم دینا انکار پر لازم ہے“

اس قاعدے کے یہ الفاظ بعینہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مروی ہیں۔ چنانچہ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے دور میں طائف کا قاضی تھا اور پھر دو عورتوں کے قصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس کو اس معاملہ کی وضاحت کیلئے لکھا تو آپ نے جواباً لکھا:

”أن رسول الله ﷺ قال: لو يعطى الناس بدعواهم لادعى رجال أموال قوم ودماءهم، ولكن

البينة على المدعى واليمين على من أنكر“ (۴۱)

”بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر لوگوں ان کے دعویٰ کے مطابق دے دیا جائے تو افراد قوموں کے

اور ان کے خون کا مطالبہ کریں گے، لیکن دلیل دینا مدعی کی ذمہ داری ہے اور (دلیل کی عدم موجودگی

میں) قسم کھانا انکار کرنے والے (مدعی علیہ) کی ذمہ داری ہے“

تضام کے باب میں زیادہ تر انحصار حقائق و شواہد پر ہوتا ہے لہذا یہ تمام ثبوت فراہم کرنا مدعی کے ذمے لازم ہے اور اگر وہ ایسا کرنے سے قاصر ہوگا اپنے دعویٰ پر پھر بھی قائم ہو تو پھر مدعی علیہ کو قسم اٹھانے کا کہا جائے گا اور اگر وہ اس سے انکار کرے تو فیصلہ مدعی کے حق میں اور اگر وہ قسم اٹھالے تو فیصلہ مدعی کے خلاف کر دیا جائے گا۔ عدالتی فیصلوں کے علاوہ عام پانچاقتی معاملات میں بھی اسی اصول کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں۔

(iv) ”الا مور بمقاصدها“ (۴۲)

”امور کا انحصار ان کے مقاصد کے مطابق ہوتا ہے“

افعال مکلف کا انجام جزاء اور سزا کے اعتبار سے ان میں پنہاں ارادوں اور نیتوں کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد مشہور حدیث:

”انما الاعمال بالنيات“ (۴۳)

”اعمال کا دارودار محض نیتوں پر ہے“

نیت اگر اچھی ہوگی تو ایک عام عمل بھی نیکی میں تبدیل ہو سکتا اور اگر نیت درست نہ ہو تو پھر نیا بھی ہلاکت اور بربادی کا

سبب بن جاتی ہے۔

(۷) (ا) "الضرر یزال" (۴۳) "نقصان کو ختم کیا جائے گا"

(ج) "اذا تعارض مفسد تان روعی اعظمهما ضرراً بارتکاب اخفهما" (۴۵)

"جب دو نقصان وہ چیزیں متعارض ہوں تو ان میں ہلکے نقصان والی چیز کو اپناتے ہوئے زیادہ ضرر والی چیز کو چھوڑ دیا جائے گا"

(د) "الضرر الاشد یزال بالضرر الاخف" (۴۶)

(ر) "یختار اھون الشرین" (۴۷)

ان تینوں ضابطوں کی بنیاد بھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ہیں:

"لا ضرر ولا ضرار" (۴۸)

"نہ تو ابتداء کسی کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی انتقاماً نقصان پہنچایا جائے"

گویا ضرر رساں اشیاء کو یا تو بالکل ختم کیا جائے گا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو زیادہ ضرر والی چیز کو ترک کر دیا جائے گا اور کم ضرر والی کو اپنایا جائے گا مگر یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس ضرر رساں چیز سے چھٹکارہ بالکل ناممکن ہو۔

(vi) "اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحلال الحرام" (۴۹)

"جب حلال اور حرام اکٹھے ہو جائیں تو حرام کو حلال پر غلبہ دیا جائے گا"

امام بیہقی نے انہی الفاظ کے ساتھ حدیث درج کی ہے مگر محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا مگر ضعیف حدیث کے دعویٰ کے

باوجود انہوں نے اس قاعدہ کو درست قرار دیا ہے۔ امام ابو داؤد نے اسی معنی میں ایک حدیث روایت کی ہے۔

"الحلال بین والحرام بین و بینہما مشتبہات لا یعلمہا کثیر من الناس، فمن اتقى الشبهات

استبرأ دنیہ وعرضہ ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام" (۵۰)

"حلال بھی واضح اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں

جاننے۔ سو جوان مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنا دین وعزت بچالی اور جوان میں بڑ گیا وہ حرام میں

پڑ گیا"

سو اس سے معلوم ہوا کہ حرمت کا شبہ رکھنے والی چیزوں سے بھی اجتناب کیا جائے کیونکہ یہ حرام کے ارتکاب کا سبب ہو سکتی

ہیں سو اگر حلال اور حرام دونوں اکٹھے ہو جائیں تو پھر حرام کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو لازمی طور پر ترک کر دیا جائے گا کیونکہ حرام و

حلال کے اجتماع کی صورت میں محض حرام کا شبہ نہیں بلکہ حرام کا ارتکاب یقینی ہو جاتا ہے۔

(vii) ”من استعجل الشئ قبل اوانه عوقب بحرمانه“ (۵۱)

”جس نے کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے حاصل کرنے کی کوشش کی اس کو اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی“

اس قاعدہ کی بنیاد درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

”القاتل لا يرث“ (۵۲)

(۱) ”ليس للقاتل من الميراث شيئا“ (۵۳)

”قاتل کے لئے مقتول کی میراث میں سے کچھ بھی نہیں ہے“

اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

”لا يرث القاتل من المقتول شيئا“ (۵۴)

”قاتل مقتول کی کسی چیز کا وارث نہیں ہوتا“

ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

(ب) ”ليس لقاتل وصية“ (۵۵)

”قاتل کیلئے کوئی وصیت نہیں“

گویا اگر کسی شخص نے مورث اور موصی کو اس لئے قتل کیا تا کہ وہ جلد وراثت اور وصیت سے ملنے والی جائیداد حاصل کر لے تو

ایسے قاتل کو وراثت اور وصیت دونوں سے محروم کر دیا جائے گا۔

(viii) ”الحدود تدرأ بالشبهات“ (۵۶)

یہ قاعدہ مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے۔

”ادرو و الحدود بالشبهات“ (۵۷) ”شبهات کی بنیاد پر حدود کو ختم کر دو“

اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

”ادرو و الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان

يخطئ في العفو خير من ان يخطئ في العقوبة“ (۵۸)

”مسلمانوں سے جہاں تک ممکن ہو شبہات کی وجہ سے حدود ختم کر دو، پس اگر ان کے بچ نکلنے کا کوئی راستہ

نکل رہا ہو تو ان کو چھوڑ دو کیونکہ امام کا معاف کرنے کی غلطی کرنا سزا دینے کی غلطی سے بہتر ہے“

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدود کی سزا کیلئے تمام ثبوت کا ہونا لازمی ہے اور اگر کسی بھی حوالے سے شبہ پایا جائے تو اس کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا اور حد کی سزا سے احتراز کیا جائے گا۔

(۹) ”کل قرض جرنفعاً فهو ربا“

”ہر وہ قرض جو منافع کا سبب بن رہا ہو، وہ سود ہے“

یہ قاعدہ فقہیہ بھی حدیث رسول ﷺ سے ماخوذ ہے اور اس حوالے سے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”عن عمّار الهمدانی قال سمعت علیاً یقول: قال رسول اللہ ﷺ: کل قرض جرّ منفعۃ فهو

ربا“ (۵۹)

”عمار ہمدانی سے روایت ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: ہر وہ قرض جو منفعت کا سبب بنے وہ سود ہے“

اس قاعدہ فقہیہ کیلئے بھی مصدر حدیث ہی بن رہی ہے جس طرح کہ اور بہت سے قواعد کیلئے بنتی ہے۔

۳- کتاب وسنت کے علاوہ دیگر مصادر اور قواعد فقہیہ:

قرآن وسنت کے علاوہ بھی دیگر مآخذ شریعت ہیں جن سے احکام شریعت کا استنباط ہوتا ہے۔ ذیل میں ان دیگر مآخذ شریعت

میں بیان کردہ قواعد فقہیہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(i) مصالح مرسلہ اور قواعد فقہیہ:

مصالح مرسلہ کے مطابق کئی قواعد فقہیہ آتے ہیں جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ”یختار اھون الشرین“ (۶۰)

”دو برائیوں میں ہلکی کو اختیار کر لیا جائے گا“

اس ضابطے کی بنیاد مصالح مرسلہ پہ ہے جیسے اگر کسی عورت کے پیٹ میں بچہ ہو اور وہ عورت وفات پا جائے تو اس کے پیٹ

کو چاک کر کے بچہ زندہ نکالا جائے گا بشرطیکہ اس کی زندگی کا قوی امکان ہو (۶۱)۔ گویا ایک طرف میت کے احترام کے منافی ہے

کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا پیٹ چاک کیا جائے لیکن دوسری طرف ایسا نہ کرنے کی صورت میں ایک اور زندگی کا خاتمہ یقینی

ہے۔ سو ایسی صورت میں کم نقصان والی بات کو اپنا لینا بہتر ہے۔

(ب) ”درء المفسد اولیٰ من جلب المنافع“ (۶۲)

”مفسد کا خاتمہ منافع کے حصول سے بہتر ہے“

اس ضابطے کی بنیاد بھی مصالح مرسلہ ہے کہ ایسا منافع جس میں مفسد بھی پنہاں ہوں اس کے حصول سے اس کا ترک کر دینا

ہی بہتر ہے۔ مثلاً آبادی کے اندر کارخانہ لگانا کہ اس میں لوگوں کو روزگار بھی ملتا ہے اور مالک کو منافع بھی ہوتا ہے مگر اس سے بہت سی آبادی متاثر ہوتی ہے، طلباء اور مریض پریشان ہوتے ہیں، عام لوگوں کے معمولات میں بھی خلل پڑتا ہے اور بعض کارخانے بہت سی بیماریوں کا باعث بھی بنتے ہیں سو ایسی صورت حال میں مصالحوں کے تحت اس ضابطے پر عمل کرتے ہوئے ایسے کارخانوں کو آبادی سے باہر لے جانا چاہئے تاکہ تھوڑا منافع حاصل کرنے کی بجائے زیادہ نقصان سے بچا جاسکے۔

(ii) عرف و عادت اور قواعد فقہیہ:

عرف و عادت کے تحت بھی کئی ایک قواعد فقہیہ ہیں مثلاً

(ا) ”العادة محكمة“ (۶۳)

”عادت کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے“

(ب) ”استعمال الناس حجة يجب العمل به“ (۶۴)

”لوگوں کا استعمال بھی ایک حجت ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے“

(ج) ”لا يترك تغير الاحكام بتغير الزمان“ (۶۵)

”زمانے (عرف) کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی کا انکار نہیں کیا جائے گا“

(د) ”انما تعتبر العادة اذا اطردت او غلبت“ (۶۶)

”عادت کا اس کے چھوڑنے یا غلبہ کے اعتبار سے اعتبار کیا جائے گا“

(ر) ”المعروف عرفا كالمشروط شرطا“ (۶۷)

”معروف رواج شرط کی طرح ہوتا ہے“

(ز) ”المعروف بين التجار كالمشروط بينهم“ (۶۸)

”تاجروں میں معروف بات ان میں شرط کی طرح ہوتی ہے“

(س) ”التعيين بالعرف كالتعيين بالنص“ (۶۹)

”عرف کا تعین نص کے تعین کی طرح ہی ہے“

مندرجہ بالا تمام قواعد عرف و عادت کے تحت آتے ہیں جو کہ ثانوی مآخذ شریعت میں سے ایک ہے۔ رواج کے بدلنے سے

احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔

سد الذرائع اور قواعد فقہیہ:

سد الذرائع کے تحت بھی کئی ایک قواعد فقہیہ ہیں۔

(۱) "للوصائل حکم المقاصد" (۷۰)

"وسائل کیلئے مقاصد کا حکم ہے"

سد الذرائع کے اصول کے تحت وسائل چاہے جائز ہوں یا ناجائز ان کے حکم کو ان مقاصد کے تحت لیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ دوسروں کے والدین کو گالی دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح دو رفتن میں اسلحہ کی خرید و فروخت پر پابندی لگائی گئی ہے، اسلحہ سے کھیلنے کی ممانعت ہے اور ایسے ہی اسلحہ کی نمائش سے منع کیا گیا ہے۔ محرم کے بغیر عورت کے سفر اور مرد کی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کی ممانعت سد الذرائع کی اہم مثالیں ہیں اور ان سب میں اہم چیز اس اصول کے تحت جو پیش نظر رکھی گئی ہے وہ وسائل کا انجام اور ان کے استعمال کا مقصد ہے تو سد الذرائع کے اصول کے تحت ناجائز مقصد کی وجہ سے جائز ذریعہ بھی ناجائز ہو جائے گا۔

(ب) "ما حرم سدّاً للذریعة ایبح للمصلحة الراجحة" (۷۱)

"جو سد ذرائع کی وجہ سے حرام ہے وہ مصلحت عامہ کی وجہ سے جائز ہو سکتی ہے"

جیسے منگنی کر نیوالے، گواہی دینے والے اور ڈاکٹر کے لئے غیر محرم کو دیکھنا جائز ہے۔

(iii) استحباب اور قواعد فقہیہ:

بہت سے قواعد فقہیہ کی بنیاد استحباب پر ہے۔ کسی چیز کا حکم اس وقت تک اپنی اصل حالت میں رہے گا جب تک کہ اس کی

مخالفت میں کوئی دلیل نہ آئے۔ اس ذیل میں چند ضابطے حسب ذیل ہیں

(۱) "الاصل بقاء ما كان على ما كان" (۷۲)

"چیز کو اس کی سابقہ حالت کے مطابق سمجھا جائے گا"

(ب) "اليقين لا يزول بالشك" (۷۳)

"یقین شک سے زائل نہیں ہوگا"

(ج) "الاصل في الاشیاء الاباحة" (۷۴)

"چیزوں کی اصل جائز ہے"

(د) "الاصل براءة الذمة" (۷۵)

"اصل ذمہ داری سے بری ہونا ہے"

(ر) "الاصل في الامور العارضة العدم" (۷۶)

"امور متعارضہ میں اصل عدم ہے"

(ز) "الاصل في كل حادث تقديره بأقرب زمن" (۷۷)

"تمام واقعات میں اصل یہ ہے کہ ان کو قریبی زمانہ کی طرف منسوب کیا جائے گا"

اسی نوعیت کا جدید اصول قانون بھی ہے کہ:

"Latter laws repeal earlier laws inconsistent therewith"(78)

"اگر سابقہ اور نئے قانون میں تضاد ہو تو نیا قانون سابقہ قانون کو منسوخ کر دے گا (اور نیا قانون نافذ

ہوگا اور پرانے پر عمل نہیں کیا جائے گا)"

ان تمام امور میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ بغیر دلیل کے مکلف پر کوئی حکم لاگو نہیں ہوگا جیسے اگر کسی کے ذمے قرض کا ثبوت نہ ہو تو اس کو "الاصل براءة الذمة" کے تحت قرض سے بری قرار دیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو تو اس کو "الاصل فی الاشياء الاباحة" کے تحت جائز تصور کیا جائے گا اور جواز کیلئے مزید کسی دلیل کی تلاش کی ضرورت نہ ہوگی۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ بہت سے قواعد فقہیہ کتاب و سنت سے ثابت ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو بعینہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پر مبنی ہیں تو جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہو شریعت میں اس کی حیثیت مسلمہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء مسائل کے استنباط میں قواعد فقہیہ کو بطور دلیل ذکر کرتے ہیں۔ مگر کتاب و سنت کے علاوہ دیگر ثانوی مآخذ شریعت سے بھی بعض قواعد فقہیہ ثابت ہوتے ہیں۔ جیسے مصالح مرسلہ، عرف و عادت، سد الذرائع اور استصحاب حال۔

نتائج بحث:

اس تمام بحث کا خلاصہ اور ماہصل مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں سامنے آتا ہے:

- ☆ قاعدہ ایک ایسا لفظ ہے جس کا استعمال ہر فن اور علم کی ہر برانچ میں ہوتا ہے۔
- ☆ قاعدہ لغوی اعتبار سے اساس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے خواہ وہ اساس حسی ہو یا معنوی مگر اصطلاحی اعتبار سے اس سے مراد "ایسا امر کلی ہے جو اپنی جزئیات کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جز باقی نہیں رہتی"۔
- ☆ اصطلاح فقہ کے اعتبار سے قاعدہ سے مراد "ہر وہ کلی ہے جو کہ اصول اور تمام عمومی عقلی معانی سے خاص ہو اور عقود اور تمام مخصوص فقہی ضوابط سے عام ہو اور اس سے اس کی جزئیات باسانی سمجھی جاسکتی ہوں"
- ☆ قواعد فقہیہ کوئی نیا علم یا فن نہیں بلکہ ان کا استعمال باقاعدہ حدیث رسول ﷺ، آثار صحابہ اور فقہاء کی کتب میں ہوا ہے اور بعد میں آنے والے فقہاء نے بس ان کو ترتیب دے کے منظم کیا ہے۔
- ☆ قواعد فقہیہ کے مصادر و مآخذ میں بنیادی مصادر قرآن اور سنت رسول ﷺ ہیں جبکہ ان کے ثانوی مصادر مصالح مرسلہ، عرف و عادت، سد الذرائع اور استصحاب حال ہیں۔
- ☆ جو قواعد فقہیہ قرآن و سنت میں اخذ ہوئے ہیں اسلامی احکام کی فراہمی میں ان کی وہی حیثیت ہے جو کہ قرآن و سنت کو حاصل ہے اور ان سے سرمواخرف جائز نہیں ہوگا۔

حواشی وحوالہ جات

- ۱۔ راغب اصفہانی، ابوالقاسم، حسین بن محمد (۵۰۲ھ)، المفردات فی غریب القرآن، مطبعة مصطفى البابي الحلبي واولاده، مصر، ۱۳۸۱ھ۔ ۱۹۶۱ء، ۲۰۹
- ۲۔ الزبيدي، محمد مرتضى، تاج العروس، باب الدال، فصل القاف، تحقيق علي شيري، دار الفكر، ۱۳۱۲ھ۔ ۱۹۹۳ء، ۲۰۱/۵
- ۳۔ نووي، يحيى الدين يحيى بن شرف (۶۷۶ھ)، تهذيب الاسماء واللغات، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ۲/۹۸
- ۴۔ ابن منظور (م: ۵۱۱ھ) لسان العرب، دار احيا التراث العربي، بيروت، لبنان، طبعه اولي، ۱۹۸۸ء، ۲۳۹/۱
- ۵۔ فيومي، احمد بن محمد بن علي المقرئ (م: ۷۷۰ھ)، المصباح الممير، دار الفكر، ۵۱۰/۲
- ۶۔ القرآن الكريم، البقرة: ۲: ۱۲۷ - ايضاً: ۱۶: ۲۶ - ايضاً: النور: ۲۴: ۶۰
- ۹۔ شريف جرجاني، علي بن محمد بن سيد الزين ابوالحسن الحسيني (م: ۸۱۶ھ)، التريقات، مكتبة رحمانية، لاہور: ۷۳
- ۱۰۔ ابوالبقاء كوفي، ايوب بن موسى كوفي، (۱۰۹۳ھ-۱۶۸۳ء)، الكليات، مؤسسة الرسالة، بيروت: ۷۲۸
- ۱۱۔ تفتازاني، سعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله (۷۹۲ھ)، التلويح الى كشف حقائق الشيخ علي التلويح، نور محمد ودار خانة تجارت كتب آرام باغ، ۱۳۳۱ھ، ۱/۳۱
- ۱۲۔ تھانوي، محمد علي بن علي، كشاف اصطلاحات الفنون، شيانك موسيقي، بلكتہ، ۱۸۶۲ء، ۶/۱۱۷
- ۱۳۔ حموي، احمد بن محمد غمزة عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر، الفن الاول القول في القواعد، دار الكتب العلمية، بيروت، طبعه اولي، ۱۳۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء، ۱/۵۱
- ۱۴۔ بسكي، تاج الدين عبد الوهاب بن علي بن عبد الكافي (م: ۷۷۱ھ)، الاشباه والنظائر، تحقيق شيخ عادل احمد عبد الموجود و شيخ علي محمد معوض، ۱/۱، طبع ۲۰۰۱ء، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان
- ۱۵۔ زرکشي (م: ۹۳۷ھ): المشور في القواعد، تحقيق: الدكتور تيسير فائق احمد محمود، طبعه ثانيه، ۱۳۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء، شركتہ دار الكويت للصحافة، ۳۳/۱
- ۱۶۔ مقرئ، محمد بن محمد بن احمد (م: ۷۵۸ھ)، القواعد، ۱/۱۵۰، تحقيق: احمد بن عبد البر بن حميد، مركز احيا التراث الاسلامي، مکه مکرمه
- ۱۷۔ Black's Law Dictionary, The Publishers Editorial Staff, Sixth Edition, 1990, p:979
- ۱۸۔ ابن نجيم، زين العابدين بن ابراهيم بن نجيم، (م: ۹۷۷ھ)، الاشباه والنظائر، انج. ايم سعيد كيني، كراچي: ۳۳
- ۱۹۔ القرآن الكريم، البقرة: ۲: ۱۷۳ - ايضاً: النحل: ۱۶: ۱۰۶ - ايضاً: النجم، الاشباه والنظائر: ۲۳
- ۲۰۔ ايضاً، النحل: ۱۶: ۱۰۶ - ايضاً، النجم، الاشباه والنظائر: ۲۳
- ۲۱۔ ابن نجيم، الاشباه والنظائر: ۲۳
- ۲۲۔ سيوطي، الاشباه والنظائر: ۱۵۹
- ۲۳۔ القرآن الكريم، البقرة: ۲: ۱۸۵
- ۲۴۔ ايضاً، المائدة: ۵: ۶
- ۲۵۔ ابن نجيم، الاشباه والنظائر: ۲۲
- ۲۶۔ القرآن الكريم، الشرح: ۶: ۹۳
- ۲۷۔ بخاري، الجامع الصحيح، كتاب الحدود، باب اقامة الحدود والانتقام لحرمان الله ۱۰۰۳/۲؛ مسلم، الجامع الصحيح، كتاب الفصائل، باب مباحة اللأثم و اختياره من المباح اسهله وانتقامه لله تعالى عند انتهاك حرمانه، ۲/۲۵۶؛ ابوداؤد، سنن، كتاب الأدب، باب، في التجاوز، مكتبة رحمانية، لاہور، ۲/۳۱۷
- ۲۸۔ ابن نجيم، الاشباه والنظائر: ۳۷
- ۲۹۔ القرآن الكريم، البقرة: ۲: ۲۸۶
- ۳۰۔ ايضاً، البقرة: ۲: ۲۳۳
- ۳۱۔ ايضاً، الانعام: ۶: ۵۲؛ مؤمنون: ۲۳: ۶۲ - ايضاً، البقرة: ۲: ۲۸۶
- ۳۲۔ ايضاً، البقرة: ۲: ۲۸۶
- ۳۳۔ الاعراف: ۷: ۱۹۹
- ۳۴۔ القرآن الكريم، النساء: ۱۹: ۱۹
- ۳۵۔ ابن نجيم، الاشباه والنظائر: ۳۲
- ۳۶۔ امام مالک، مؤطا، كتاب الأقتضية، باب القضاء في المرفق ۶۳۳، قدیمی کتب خانہ بالقابل آرام باغ، كراچي: ابن ماجه، السنن، ابواب الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره: ۱۶۹
- ۳۷۔ ابن نجيم، الاشباه والنظائر: ۷۷
- ۳۸۔ ترمذي، الجامع، ابواب البيوع، باب ما جاء في من يشتري العبد ويستغله ثم يبعه به عبداً، مكتبة رحمانية، لاہور، ۳۷۳؛ السنن، كتاب البيوع، باب الخراج بالضمان، ۲/۲۱۲؛ ابوداؤد، سنن، كتاب البيوع، باب في من اشتري عبداً فاستعمله ثم وجد به عبداً، مكتبة

- رحمانیہ، لاہور، ۱۳۹۲ھ: ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب، الخراج بالضمنان: ۱۶۲
- ۳۹۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیہ: ۳۰۵۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیہ: ۲۳۰
- ۴۱۔ تہمتی، ابوبکر احمد بن حسین (م ۳۵۸ھ)، السنن الکبریٰ، کتاب الدعوی والینتات، باب الیئذ علی المدعی والیسین علی المدعی علیہ، تحقیق: محمد عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیہ، الطبعۃ الثالثہ، ۱۳۲۲ھ-۲۰۰۳م، ۲۲۶/۱۰
- ۴۲۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۱۲
- ۴۳۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب فی ما عنی والنیات، ۳۱۸/۱: ابن ماجہ، السنن، ابواب الزہد، باب الذیہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور: ۳۱۱
- ۴۴۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۴۲۔ ۴۵۔ ایضاً: ۴۴۔ ۴۶۔ ایضاً: ۴۴
- ۴۷۔ مجلیۃ الاحکام الحدیثیہ، مادۃ: ۲۹
- ۴۸۔ ابن ماجہ: السنن: ابواب الاحکام، باب من بنی بحقہ ما یضرب بجارہ، ۱۶۹: امام مالک، مؤطا، کتاب الکتب، باب ما لا یجوز من عتق الکتب: ۵۶۰
- ۴۹۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۵۵
- ۵۰۔ ابوداؤد، السنن، کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبہات، ۱۱۸/۲۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۸۰
- ۵۲۔ ترمذی، الجامع، ابواب الفرائض، باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل، ۳۱/۲
- ۵۳۔ دارقطنی، السنن، کتاب الاقضیہ، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۲۳۷/۲
- ۵۴۔ الدراری، السنن، ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمن، کتاب الفرائض، باب میراث القاتل، ۲۷۷/۲
- ۵۵۔ دارقطنی، السنن، کتاب الاقضیہ، ۲۳۷/۲
- ۵۶۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۶۳
- ۵۷۔ ایضاً: ۳۹۵/۱
- ۵۸۔ ترمذی، الجامع، ابواب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود، ۳۹۵/۱
- ۵۹۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمینیہ، کتاب البیوع، باب الزجر عن القرض اذا جرم منفعہ، تحقیق: حبیب الرحمن اعظمی، توزیع عباس احمد الباز، مکہ مکرمہ، ۱۳۱۱ھ: ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد (م ۲۳۵)، مصنف، کتاب البیوع والاقضیہ، باب من کرہ کل قرض جرم منفعہ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۳۰۶ھ-۱۹۸۶ء، ۱۸۰/۶
- ۶۰۔ علی حیدر، درر الحکام، مادۃ: ۲۹، ۳۷/۱
- ۶۱۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۴۳
- ۶۲۔ ایضاً: ۴۵
- ۶۳۔ ایضاً: ۴۶
- ۶۴۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیہ: ۵۶
- ۶۵۔ علی حیدر، درر الحکام، مادہ: ۳۹، ۳۳/۱
- ۶۶۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۴۷
- ۶۷۔ ایضاً: ۴۹
- ۶۸۔ علی حیدر، درر الحکام، مادۃ: ۴۳، ۳۶/۱
- ۶۹۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیہ: ۵۶
- ۷۰۔ ابن قیم، اعلام الموقعین، ۱۳۷۳ھ: ملا علی قاری، علی بن سلطان (م ۱۰۱۳ھ)، مرقاۃ المفاتیح، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۲۹/۳
- ۷۱۔ ندوی، محمد علی، القواعد الفقہیہ: ۵۶
- ۷۲۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۲۸
- ۷۳۔ ایضاً: ۲۷
- ۷۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر: ۲۷
- ۷۵۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر: ۵۲
- ۷۶۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۳۱
- ۷۷۔ ایضاً: ۳۲